دین ودنیا کی عزت کا حصول کیسے؟

مولانا محمد معاویہ سعدی استاذ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے کتاب وسنت کی واضح تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کی موجودہ تمام تر پریشانیوں اور سوختہ سامانیوں کا سبب: اُن کی دین سے دوری، آخرت سے بے فکری اور دنیا میں ضرورت سے زیادہ انہماک کو قرار دیا تھا، اور اس کے علاج کے لیے مواعظ، ملفوظات، کتابوں اور رسالوں کا طویل بابرکت اور بافیض سلسلہ جاری فرمایا تھا، انہی کتابوں میں سے (عقائد، عبادات، معاشرت، اخلاق اور دین کے دیگر اہم شعبوں سے متعلق چھبیس ''اَرواح'' پر مشتمل) ایک اہم کتاب ''حیات المسلمین'' نامی بھی تصنیف فرمائی تھی، جس کے بارے میں خود اِرشاد فرماتے ہیں: ''حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ میری بہت سی تصانیف ہیں، مگر اپنی اِس تصنیف ''حیات المسلمین'' کے بارے میں مجھے گمان ہے کہ یہ کتاب میرے لیے نجات کا ذریعہ بن جاوے گی''۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا: ''اِس فلاح کی تدبیر بتلانے کے لیے میں نے ''حیات المسلمین'' ایک رسالہ لکھا ہے، اس کے لکھنے میں مجھ کو بہت تعب ہوا، پھر اس کے انتخاب اور سہل بنانے میں بھی'' (ماخوذ از: مقدمۂ کتاب)۔

حضرتؒ نے اِس کتاب کے لیے اپنی مخصوص علمی زبان میں ایک جامع اور وجیز مقدمہ بھی تحریر فرمایا تھا، پھر عوام کی سہولت کے پیش نظر بوقتِ طباعت حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس کی تسہیل اور تشریح بھی فرمادی تھی، جس سے اس کی افادیت اور زیادہ عام وتام ہوگئی۔

حضرت مفتی صاحبؒ اپنی پچیس صفحاتی ''تسہیلِ مقدمہ'' کے آخر میں فرماتے ہیں: ''ضرورت ہے کہ مسلمان ان (اَرواح واعمال) کی خود پابندی کرنے، اور اپنے احباب واعزا، اور عام مسلمانوں میں ان کی اشاعت، اور اُن پر عمل کی ترغیب میں پورے اہتمام سے کوشش کریں، مسلمانوں کے اکثر افراد بھی اگر اِن اعمال میں سے اکثر کے بھی پابند ہوگئے تو وہ دن دور نہیں کہ مسلمان گردابِ مصائب سے نکل کر، عافیت وعزت اور راحت وطمانینت کی زندگی حاصل کریں، واللہ الموفق والمعین'' (ص ۴۱)۔

اِن افاداتِ اشرفیہ کی افادیت واہمیت کے پیشِ نظر بتوفیقہ تعالیٰ دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اِن مضامین کو (معمولی تصرف کے ساتھ) تھوڑا تھوڑا کرکے، وقتاً فوقتاً اپنے قارئین کی خدمت میں بھی پیش کیا جائے، اِن شاء اللہ ہم سب کے لیے نافع اور مفید ہوگا، وما علینا إلا البلاغ، واللہ ولي الهداية والتوفيق۔ محمد معاویہ سعدی

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ''تسہیلِ مقدمہ'' (ص ۳۱-۳۸) میں فرماتے ہیں: ''... مسلمانوں

کے سوا دوسری قومیں خدا تعالیٰ کی مرضی و نامرضی اور حلال و حرام سے بے فکر ہو کر دنیوی ترقی کے لیے کوئی اسکیم بناویں، تو دنیا کی ظاہری حیات میں اس کا کامیاب ہوجانا ممکن ہے، گو حقیقی راحت حاصل نہ ہو، مگر ظاہری سامانِ راحت اور عزت و دولت ان کو اِختراعی نظام: نازی اِزم، کمیونزم اورسوشل اِزم (مروّجہ جمہوریت) وغیرہ کے ذریعہ حاصل ہوجاوے، تو بعید نہیں۔

غرض جن لوگوں نے متاعِ دنیا اور اس کے چند روزہ ظاہری ساز و سامان ہی کو اپنا محبوبِ حقیقی اور قبلۂ مقصود بنالیا ہے، اور جن کی حالت قرآن نے یہ بیان کی ہے کہ: {اَلَّذِیۡنَ رَضُوۡا بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ اطۡمَاَنُّوۡا بِهَا}۔ (وہ لوگ جو صرف حیاتِ دنیا پر راضی اور مطمئن ہو گئے)۔

حقیقت شناس، صاحبِ بصیرت تو اُن کو یہی کہیں گے کہ:

آنا نکہ بجز روئے تو جائے نگرانند	کوتہ نظر انند چہ کوتہ نظر انند

(جو لوگ صرف تمہارے چہرے ہی پر نظر جمائے ہوئے ہیں، وہ انتہائی کوتاہ نظر ہیں)

لیکن بہر حال اُن کا یہ مقصود برلن اور امریکہ کی منڈیوں میں، چین و جاپان کے بازاروں میں، اسٹالن اور مارکس کی چوکھٹ پر جبہ سائی کرنے میں حاصل ہوجانا ممکن ہے، لیکن مسلمان جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے والا ہے، وہ ان بے دینوں کی نقل اتار کر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا، اس کے لیے دنیوی عزت و دولت کے حصول میں بھی بجز سبز گنبد میں آرام فرمانے والے، تاجدارِ مدینہ، سید الانبیاء والمرسلین، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے کہیں جائے پناہ نہیں، ہمارے خواجہ صاحب مرحوم نے خوب فرمایا ہے:

بنیں ہم نہ ہندی، نہ روسی نہ نازی بنالیں بس اپنے کو سچا حجازی

ہم ہی پھر بہر حال لے جائیں بازی مریں تو شہید، اور ماریں تو غازی

تاریخ اسلام کا مجریٰ اس پر شاہد ہے کہ مسلمان قوم نے جب کبھی اُسوۂ حسنۂ نبویہ سے منھ موڑا تو دنیا کی عزت و دولت نے بھی اس سے منھ موڑ لیا، جس وقت وہ تعلیماتِ نبویہ کے حامل اور ان پر پورے عامل تھے تو ان کے عروج و اِقبال کا یہ عالم تھا کہ جنگل میں سر کے نیچے اینٹ رکھ کر

سو جانے والے امیر المؤمنین کے نام سے کسریٰ وقیصر کے محلات میں زلزلہ پڑ جاتا تھا ؎

قباؤں میں پیوند، پیٹوں پر پتھر قدم کے تلے تاجِ کسریٰ وقیصر

اور جب انھوں نے اس میں غفلت و کوتاہی شروع کی، تو چار دانگ عالم میں ان کی پھیلی ہوئی سلطنت وحکومت خودبخود سمٹنا شروع ہوگئی، نہ اندلس کے قصر حمراء وزہرا اُن کو بچا سکے، اور نہ مصر وقاہرہ کی قوت قاہرہ کام آسکی، پھر جب کبھی سنبھلے تو حکومت سنبھل گئی، اور بہکے تو سلطنت وحکومت میں بھی زوال آ گیا۔

غرض مسلمانوں کی دنیوی مصائب وآفات اور عزت ودولت اور حکومت وغیرہ سے محرومی بھی اُن کے برے اعمال کے نتائج اور تعلیماتِ قرآن وحدیث سے غفلت اور اِعرض کے ثمرات ہیں، اگر ماضی کا تجربہ مستقبل کے لیے مشعلِ ہدایت اور درسِ عبرت ہوسکتا ہے تو مسلمانوں کے عہد ماضی کا طویل وعریض زمانہ اور اس کی تاریخ کا ہر مرقع اُن کو ان کی ہر صلاح وفلاح کے لیے صرف ایک سبق دیتا ہے، جو بالکل واضح اور جلی ہے، جس کو امامِ مدینہ حضرت مالک بن انسؒ کے الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاتا ہے: **لَنْ يُصْلِحَ اٰخِرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا مَاصَلُحَ بِهٖ اَوَّ لُهَا** ۔ (التمہید لابن عبدالبر (وہب بن کیسان عن مالک: ۹/۳۱۵)

(اِس امت کے آخری دور کی اصلاح بھی کوئی چیز بجز اُس طریقِ کار کے نہیں کرسکتی جس کے ذریعہ اِس امت کے دورِ اول کی اصلاح ہوئی تھی)۔

اور یہ ظاہر ہے کہ وہ طریقِ کار جس نے عرب کے بدوؤں کو تہذیبِ انسانی کا معلم، وحشیوں کو سیاست مندوں کا مجدد، گمراہوں کو دنیا کا رہبر، بداخلاقوں کو خوش اخلاقی کا پیکر، مریضوں کو مسیحا بنا دیا، وہ کیا تھا؟ صرف قرآنی نظام، اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وارشادات کا اِتباع۔

آج کل مسلمان ہر طرف سے اَعداء کے نرغہ اور طرح طرح کی مصائب سے پریشان ہوکر قسم قسم کی تدبیریں اِس بلا سے نکلنے کے لیے استعمال کررہے ہیں، لیکن افسوس کہ ان تدبیروں

میں بار بار کی ناکامی ونامرادی کے باوجود وہ نہیں آتے تو صرف اُس تدبیر کی طرف، جو اُن کی سب کامیابیوں کی کفیل اور تجربہ سے صحیح ویقینی ثابت ہوچکی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح اور مضبوط کرنا، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی تدبیروں پر عمل کرنا، ولنعم ما قیل ؎

نہ ہرگز اُن پہ غالب کسبِ مال وجاہ سے ہوگے

نہ جب تک حملہ آور اُن پہ دینی راہ سے ہوگے

نہ ہرگز کامراں سعیٔ گہ وبے گاہ سے ہوگے

نہ جب تک مل کے سب وابستہ ''حبل اللہ'' سے ہوگے

اس کا یہ مطلب نہیں کہ رفعِ مصائب کے لیے اپنی قوت، اور دشمنوں سے حفاظت کی ظاہری تدبیریں بے کار وفضول ہیں، کیوں کہ تعلیماتِ قرآن وحدیث میں خود اِن مادی تدبیروں کا بھی اہتمام موجود ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اِن مادی تدبیروں میں تو تمہارے دشمن تم سے کہیں زیادہ اور آگے ہیں، اور جب تک تم سامان جمع کر کے اُن کے درجہ تک پہنچو گے وہ اس سے بہت آگے پہنچ لیں گے، اِس لیے صرف اِن ظاہری تدابیر اور مادی قوت کی فراہمی سے مسلمان کسی وقت بھی اُن سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے۔

مسلمانوں کی وہ مخصوص قوت جس کا کسی دوسری قوم کے پاس جواب نہیں، اُن کا وہ میگزین جس کے سامنے ساری دنیا کی طاقتیں سرنگوں ہیں، اور جس نے ان کے قلتِ عدد اور قلتِ سامان کے باوجود تاریخ اسلام کے ہر دور میں ان کو دوسروں پر ہمیشہ فتح مند اور سربلند کیا، وہ صرف ان کا تعلق مع اللہ اور وہ روحانی رشتہ ہے جو ان کو ساری قوتوں کے خالق ومالک کے ساتھ حاصل ہے، جس کے لازمی نتیجہ میں اِمدادِ غیبی، نصرتِ الٰہی، فرشتوں کی امداد، دوسری قوموں پر رعب وغیرہ ہر قدم پر اُن کے ساتھ ہوتے ہیں۔

مگر یہ ظاہر ہے کہ یہ رشتہ وتعلق صرف اِطاعت وفرمانبرداری سے حاصل ہوسکتا ہے،

نافرمانی کے ساتھ باقی نہیں رہتا۔

غزوۂ بدر میں جو فرشتوں کا لشکر مسلمانوں کی اِمداد کے لیے اتر آیا تھا، وہ یقیناً جناب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں اور برکت کا ثمرہ تھا، مگر وہ صرف مجاہدین بدر کی خصوصیت نہیں تھی، اور نہ اس زمانہ کی خصوصیت، بلکہ حسبِ تصریح قرآنی اُس کا مدار اِطاعتِ خداوندی پر، اور اس میں بھی خصوصاً ''صبر'' و''تقویٰ'' کے دو جوہروں پر تھا، جو اس میدان کے سپاہیوں کو حاصل تھے، اسی مضمون کو قرآن حکیم نے اس آیت میں بالفاظ شرط ظاہر کیا ہے:

{بَلٰىٓ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ}۔[آل عمران آیت:۱۲۵]

(بے شک اگر تم صبر وتقویٰ اختیار کرو، اور کفار یکبارگی تم پر آپڑیں تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری امداد فرمائے گا، جو صف بصف ہوں گے)

مسلمان اگر آج بھی حق تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلقِ اطاعت اسی طرح مستحکم کرلیں اور صبر وتقویٰ کے اوصاف پیدا کرلیں تو اس کے فرشتے آج بھی زندہ وموجود اور نصرتِ مسلمین کے لیے تیار ہیں:

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اسی مضمون کو قرآن کریم کی دوسری آیت میں بالفاظِ ذیل ارشاد فرمایا: {وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا}۔[آل عمران آیت:۱۲۰] (بے شک اگر تم صبر وتقویٰ اختیار کرلو، تو تمھیں دشمن کا کید کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا)۔

یہ مسئلہ کہ مسلمانوں کی فتح ونصرت کا سب سے بڑا سبب: اُن کا تعلق مع اللہ اور نصرتِ خداوندی ہے، صرف نظری اور فکری نہیں، بار بار کے پیہم تجربوں نے اس کو ایسا بدیہی کردیا تھا کہ جو مسلمان کسی سبب سے عملی کوتاہیوں میں مبتلا بھی تھے، وہ بھی علمی اور فکری درجہ میں اس پر یقین رکھتے تھے کہ ہماری

فلاح وکامیابی صرف اطاعتِ خداوندی اورتعلیماتِ قرآن کے ساتھ وابستہ ہے۔

اِسلامی فرماں رواؤں میں سب سے مجرم اور ظالم حجاج بن یوسف ثقفی مشہور ہے، اس کا ایک فرمان نمونہ کے لیے دیکھیے:

محمد بن قاسمؒ فاتح سندھ نے جب دریائے سندھ کو عبور کرلیا، اور راجہ داہر کی زبردست ہاتھیوں کی فوج سے مقابلہ ٹھن گیا، تو حجاج بن یوسف ثقفی (جو عراق کے وائسرائے کی حیثیت رکھتا تھا، اُس) کا خط محمد بن قاسم کے نام بمضمونِ ذیل پہنچا:

''پنج وقتہ نماز پڑھنے میں سستی نہ ہو، تکبیر وقرأت، قیام وقعود اور رکوع وسجود میں خدا تعالیٰ کے روبرو تضرع وزاری کیا کرو، زبان پر ہر وقت ذکرِ الٰہی جاری رکھو، کسی شخص کو شوکت وقوت خدا تعالی کی مہربانی کے بغیر میسر نہیں ہوسکتی، اگر تم خدا تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسہ رکھوگے تو یقینا مظفر ومنصور ہوگے''۔ (آئینۂ حقیقت نما ص ۱۰۵، مصنفہ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی)

پھر راجہ داہر کے مارے جانے کا حال محمد بن قاسم نے حجاج بن یوسف کو لکھا، تو قاصد حجاج کی طرف سے یہ خط لے کر آیا:

''تمہارا اہتمام وانتظام اور ہر ایک کام شرع کے موافق ہے، مگر ہر خاص وعام کو امان دینے اور دوست ودشمن میں تمیز نہ کرنے سے ایسا نہ ہو کہ کام بگڑ جائے، جو لوگ بزرگ اور ذی وقعت ہوں ان کو ضرور امان دو، لیکن شریر اور بدمعاشوں کو دیکھ بھال کر آزاد کیا کرو، اپنے عہد وپیمان کا ہمیشہ لحاظ رکھو، اور امن پسند رعایا کی استمالت کرو''۔ (آئینۂ حقیقت نما)

یہ کسی حجرہ نشین مُلّا کی تلقین، یا کسی خانقاہ کی تعلیم نہیں، ایک رعب داب والے بااختیار امیر (وائسرائے) کا فرمان ہے، اور امیر بھی وہ کوئی خلفائے راشدین میں سے نہیں، صلحاء ومتقین میں سے نہیں، سب سے زیادہ بدنام امیر ہے، مگر اتنی بات پر وہ بھی کامل یقین رکھتا ہے اور اپنے ماتحت حکام کو اس کا فرمان بھیجتا ہے کہ یہ ہماری عبادات: نماز، روزہ اور دیگر احکامِ قرآنیہ کی اطاعت ہی ہماری فتح وظفر کی روح ہے، اور ہماری ہر دنیوی کامیابی بھی اسی میں مضمر ہے۔

قریب قریب اسی مضمون کا ایک فرمان حضرت فاروقِ اعظمؓ نے اپنے عہد خلافت کے تمام مسلم حکام کے نام جاری فرمایا تھا، جس کو امام مالکؒ نے ''موطأ'' میں بالفاظِ ذیل روایت کیا ہے: ''اِنَّ اَهَمَّ اَمْرِكُمْ عِنْدِیْ الصَّلٰوةُ، فَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا اَضْيَعُ''۔ (الموطأللإمام مالک: کتاب الصلوٰۃ باب وقوت الصلاۃ: ٦)

(میرے نزیک تمہارے سب کاموں میں سب سے زیادہ اہم کام نماز ہے، جس نے اس کو ضائع کر دیا وہ دوسرے کام کو اور بھی زیادہ ضائع کرے گا)۔

یہ حکم بھی کوئی درسگاہی اور خانقاہی تلقین نہیں، جس کو کوئی روشن خیال یہ کہہ کر نظر انداز کر دے کہ یہ سیاست سے نا آشنا خلوت نشینوں کے خیالات ہیں، بلکہ اُمتِ اسلامیہ کے سب سے بڑے مدبر جرنیل، اور سیاست داں امیرالمونین کا فرمان ہے، جو طلباء اور عوام کو نہیں، بلکہ حکام و امراء کو بھیجا جاتا ہے کہ وہ خود بھی اس پر عامل ہوں اور دوسروں سے بھی عمل کرائیں۔

فاتحِ مصر عمرو بن عاصؓ کو مصر جیسے عظیم الشان ملک کا محاصرہ کیے ہوئے صرف ایک مہینہ گزرا تھا کہ فاروق اعظمؓ کو اتنی تاخیر بھی اسلامی فتوحات کے دستور پر ناگوار ہوئی، اور تاخیرِ فتح کے مرض کی تشخیص اور اس کے علاج کی تجویز یہ فرمائی:

''معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دل میں مصر وقاہرہ کے اموال عظیمہ کی طمع آ گئی، اور اخلاصِ عمل میں کمی آ گئی، یہی سبب تاخیر کا ہو رہا ہے، جمعہ کے روز نمازِ جمعہ کے بعد اپنے ان خیالات سے توبہ اور نصرتِ الٰہی کے لیے دعا کر کے یکبارگی حملہ کرو''

عمرو بن عاصؓ نے حکم کی تعمیل کی تو اسی روز میدان ہاتھ میں، اور مصر کا تخت زیر قدم تھا۔

یہ واقعات ہیں، جن سے تاریخ اسلام کے صفحات لبریز ہیں، کہاں تک نقل کیا جائے، خلاصہ یہ ہے کہ آج کے مسلمان اپنی کامیابی وفلاح کی دوا کبھی جرمنؔ اور اسٹالنؔ کے کارخانوں میں، اور کبھی برطانیہ اور امریکہ کے ایوانوں میں تلاش کرتے ہیں، لیکن جو اِکسیر اعظم ان کے گھر میں موجود، اور جس کا استعمال سہل اور ان کے مزاجِ ملی کے بالکل موافق

اور بار بار کے تجربہ سے اس کا اثر یقینی ہے، اسی کی طرف توجہ نہیں کی جاتی ؂

یک سبد پر ناں ترا بر فرق سر

تو ہمی جوئی لبِ ناں در بدر

(روٹیوں سے بھرا ٹوکرا تیرے سر پر رکھا ہے، اور تو ایک لقمہ روٹی کے لیے در بدر بھٹک رہا ہے)

الغرض اب تو بار بار کے تجربوں نے ثابت کر دیا کہ نئی روشن خیالی کے ناخنِ تدبیر مسلمانوں کی اِس گتھی کو سلجھانے میں ناکام، اور مغربی سیاست کا راستہ مسلمان قوم کے لیے یقینا ناموافق ثابت ہوا۔

اب تو یقین ہو جانا چاہیے کہ ان کی فلاح غیروں کی نقالی، اور ان ہی کی اصطلاح میں ''آگے بڑھنے'' میں نہیں، بلکہ اَب سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کی طرف لوٹ جانے، اور صرف اسی سیاست کو اختیار کرنے میں ہے، جو قرآنی بنیادوں اور اسلامی اخلاق و معاملات اور صبر و تقویٰ پر قائم ہو، جس میں صدیق و فاروق کی سیاست کا رنگ ہو، جس کی بلندی و برتری کو آج بھی دنیا کا ہر دانش مند ماننے کے لیے مجبور ہے، ابھی پچھلے دنوں خود مسٹر گاندھی نے اس کا اِقرار و اعلان کیا کہ صرف صدیق و فاروق ہی کی سیاست قابلِ تقلید سیاست ہے۔

خدا کرے کہ مسلمان جب اس پر توجہ دیں اور مسلمانوں کی قومی فلاح کے لیے ظاہری تدابیر کے ساتھ اس روحانی تدابیر یعنی تعلق مع اللہ کو مضبوط کرنے میں پوری سعی کرنے لگیں تو فلاح و کامیابی ان کے ساتھ ہو، **و ما ذٰلک علی اللّٰہ بعزیز**